© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

حضرت جگر مرادآبادی کا حادثۂ وفات جو ۹ ستمبر کی صبح کو گونڈہ میں ستر برس کی عمر میں پیش آیا اردو شعر و سخن کی دنیا کے لئے اس درجہ المناک ہے کہ اس کی تلخی و شدت عرصہ تک محسوس ہوتی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا ماتم ہند و پاک میں جیسا ہمہ گیر ہوا ہے اقبال مرحوم کے بعد سے آجتک کسی شاعر کا ایسا نہیں ہوا تھا۔ اردو شاعری کے دورِ جدید نے تغزل کے پانچ عظیم المرتبت مجدد پیدا کئے ہیں اصغر، حسرت، جگر، فانی اور فراق۔ انھوں نے اردو غزل کو نیا آہنگ، نیا اسلوب دیا اور اُن تصورات سے اسے پاک و صاف کیا جو اب تک روایتی ورثہ کی حیثیت سے چلے آرہے تھے۔ اس فہرست میں جگر کا نمبر اگرچہ فکر و فن کے اعتبار سے اصغر و حسرت کے بعد آتا ہے لیکن ہر دلعزیزی اور عام مقبولیت میں وہ سب سے بلند اور فائق تھے۔ ہر شاعر کا کلام تدریجی ارتقا کی منزلوں سے گذر کر پختگی اور استواری و پائداری کے مرتبہ تک پہونچتا ہے جہاں اُس کو انفرادیت حاصل ہوتی ہے، لیکن بڑے شاعروں کے کلام میں تدریجی ارتقار کی مختلف کڑیوں کا معلوم کر لینا اس قدر آسان نہیں ہوتا جتنا کہ مرحوم کے کلام میں ہے۔ اَلْمَجَازُ قَنْطَرَۃُ الْحَقِیْقَۃ کا مقولہ اگر صحیح ہے تو حضرت جگر کا کلام اس کی سب سے بڑی اور روشن دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کو شہرت و مقبولیت پہلے عوام میں حاصل ہوئی، پھر طبقۂ خواص میں اُن کے فکر و فن کی عظمت و گیرائی کا اعتراف پیدا ہوا۔ اُن کے ابتدائی دورِ شاعری میں حسن و عشق مجازی کے طبعی معاملات اور اُن کے راز و نیاز کی حقیقی تصویریں پوری آب و تاب اور عریاں شکل و انداز میں پائی جاتی ہیں اس لئے ان تصویروں نے حسین و دلکش ترنم کے ساتھ مل کر عوام میں اور خصوصاً نوجوانوں میں ایک قیامت برپا کردی اور ہر شخص جگر کے اشعار کا مارا ہوا نظر آنے لگا۔ لیکن وقت کے امتداد اور شعور و تجربہ کی مختلف آزمائشوں سے گذرنے کے ساتھ مرحوم کے فکر میں حسن کا تصور مقید سے مطلق اور مجازی سے حقیقی کی طرف ترقی کرتا رہا اور اس بنا پر اُن کی شاعری کے علائم و رموز بھی لطیف سے لطیف تر ہوتے چلے گئے۔

ابتدا میں رندی و سرمستی اور حسن و عشق کی معاملہ بندی کی وجہ سے اُن کا رنگ فارسی میں حافظ شیرازی اور عربی میں عمر بن ابی ربیعہ کا تھا۔ لیکن آخر میں اُن کے تغزل کا مزاج سعدی اور عرفی و نظیری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا قوین بن گیا۔ اس میں شک نہیں کہ جگر کو جگر بنانے میں مرحوم کے حسین و دلکش ترنم اور الفاظ کی موسیقیت کو بڑا دخل تھا۔ لیکن عروس اگر جمیل نہ ہو تو محض لباسِ حریر اہلِ نظر کے لئے کب تک فریبِ چشم و نگہ کا سامان ہو سکتا ہے"؟

مرحوم اپنے بعض معاصر شعرا کی طرح نہ بسیار گو تھے اور نہ پُر گو۔ لیکن یہ اُن کا عیب نہیں ہنر تھا۔ اسی بنا پر ان کی ہر غزل۔ قطعہ یا نظم انتخاب ہوتی تھی، ورنہ بسیار گوئی اتنی بُری بلا ہے کہ اُس کی وجہ سے مصحفی۔ ناسخ اور آتش کا ذکر نہیں۔ میر و مومن تک کے دیوان رطب و یابس سے پُر ہیں۔

شعری و فنی کمالات کے علاوہ اخلاقی اعتبار سے بھی عجیب و غریب خوبیوں کے بزرگ تھے۔ اُن کا قلب سراپا سوز و گداز اور انسانی ہمدردی و غمگساری کا پیکر تھا۔ مروت۔ وضعداری اور لحاظ و شرم اُن کا شیوہ تھا۔ ایک عرصہ تک دخترِ رز کی زلف گرہ گیر کے اسیر رہے۔ لیکن خشیتِ ربانی سے دل کبھی بے پروا نہیں رہا۔ حضرت قاضی عبدالغنی صاحب منگلوری سے بیعت تھے۔ حضرت اصغر گونڈوی اور والد مرحوم بھی انہیں سے بیعت تھے، اس لئے پیر بھائی ہونے کے رشتہ سے تینوں میں بڑا اخلاص اور عمیق تعلق تھا۔ اسی تقریب سے حضرت اصغر مرحوم کی طرح جگر مرحوم بھی راقم الحروف کو بھتیجہ سمجھتے اور ایک چچا کی طرح بڑی شفقتِ بزرگانہ رکھتے تھے۔ دلّی یا کلکتہ میں جب کبھی آتے مجھ سے ملنے ضرور تشریف لاتے اور موقع ہوتا تو ایک دو وقت کھانا بھی کھاتے۔ اُن کی مشہور غزل ہے

"بے چین ہے بے تاب ہے معلوم نہیں کیوں   دل ماہیٔ بے آب ہے معلوم نہیں کیوں،

مرحوم نے یہ غزل خود دفتر برہان میں بیٹھ کر لکھی تھی اور برہان کو عطا کی تھی جو اسی ماہ کی اشاعت میں چھپ گئی تھی۔ اسی بزرگانہ تعلق کی وجہ سے ہمیشہ "سعید میاں" کہہ کر بلاتے تھے۔ رقتِ قلب کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ مکان پر کھانا کھا رہے تھے، اس وقت حضرت اصغر کی وفات کو پانچ چھ مہینے ہو چکے تھے۔ والد صاحب نے اثنائے طعام میں کہیں اُن کا ذکر کر دیا۔ اس پر مرحوم اس درجہ متاثر ہوئے کہ بیساختہ رونے لگے اور گریہ نے اس قدر طول پکڑا کہ پھر وہ ایک لقمہ نہیں کھا سکے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادیبوں اور شاعروں کو عام طور پر زمانہ کی ناقدری کا شکوہ ہوتا ہے۔ لیکن مرحوم کی خود زندگی میں وہ قدر ہوئی جو ارباب کمال کی عموماً مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ اُن کی قدر مرکزی حکومت نے بھی کی اور اسٹیٹ گورنمنٹ نے بھی۔ ساہتیہ اکاڈمی نے "آتش گل" پر پانچ ہزار روپیہ کا گرانقدر انعام دیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی نے اُن کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی۔ بمبئی والوں نے ایک بڑی رقم کی تھیلی پیش کی۔ شہرت و ہردلعزیزی اور عظمت دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم نہیں ہیں اور اس لئے ضروری نہیں کہ کسی شخص کے لئے ایک چیز پائی جائے تو دوسری بھی پائی جائے۔ اقبال اور اصغر و حسرت کی طرح مرحوم کو یہ دونوں باتیں بیک وقت حاصل تھیں اور کوئی شبہ نہیں کہ اس میں بڑا دخل فن کاری کے علاوہ اُن کے کردار اور اخلاق کو بھی تھا۔ جنگ کے زمانہ میں حکومت کا آلۂ کار بن کر بڑے بڑے "وطن پرست" شاعروں نے ہزاروں کے وارے نیارے کر لئے یا فلم کمپنیوں سے وابستہ ہو کر دولت مند بن گئے۔ لیکن جگر نے اس ننگ و عار کو کبھی گوارا نہیں کیا۔ اُن کی اسی بے نیازی اور استغنا کا نتیجہ تھا کہ دنیا اُن کے قدموں پر جھک گئی اور ہر شخص اُن کے کردار کی بلندی کا اعتراف کرنے لگا۔

مرحوم کی رقتِ قلب نے روحانی سوز و گداز کی شکل اختیار کر لی تھی اور اب آخر میں بسا اوقات اُن پر جذب کی سی کیفیت طاری رہنے لگی تھی۔ محویت اور استغراق میں شدت پیدا ہو گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے والہانہ عشق تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حج و زیارتِ حرمین شریفین کا پورا سفر بڑے جذب و شوق کے ساتھ کیا۔ انانیت اور خود پسندی کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ عجز و فروتنی اور انکسار و تواضع شیوۂ طبعی تھے۔ دین اور اُس کے شعائر کا احترام اس درجہ تھا کہ کسی سے اُس کے خلاف کوئی لفظ تک سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ آخر میں جو کچھ بن گئے تھے اُس میں اُنکی طبعی صلاحیت و استعداد کے علاوہ اُن کے پیر و مرشد حضرت اصغر گونڈوی کے فیضانِ توجہ و تربیت کا بھی بڑا دخل تھا۔ اب ایسے باکمال و باوضع لوگ کہاں ملیں گے؟ اللہ تعالے امغفرت و بخشش کی رحمتوں سے نوازے۔

© rasailojaraid.com